رسائل و مسائل

"احتکار" کی تعریف کیا ہے؟

سوال: ذخیرہ اندوزی کے متعلق کچھ باتیں حل طلب ہیں۔

ایک مشہور حدیث ہے معلوم نہیں کس کتاب میں درج ہے اور روایتاً کہاں تک درست ہے۔ اور اسلاف کا اس پر کیا کلام ہے۔

من احتکر طعامًا اربعین یومًا یرید به الغلاء فقد برئ من الله وبرئ الله منه۔

اس کے متعلق مقامی علماء فرماتے ہیں کہ یہ قحط کے زمانے سے متعلق ہے۔

میرے اس پر چند اشکال ہیں:

ایک یہ کہ حدیث میں قحط کے لیے کوئی لفظ مذکور نہیں ہے۔

دوم یہ کہ اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ قحط کے زمانے کے لیے ہے، تو چالیس دن کی قید کیوں؟ اس زمانے میں تو ایک دن بھی احتکار کرنا سراسر ظلم ہے۔

تیسرا یہ کہ فرض کیجیے مارکیٹ میں پچاس تاجروں کا غلہ آتا ہے۔ اگر دس دن روکے رکھیں تو قیمت پر اثر نہیں پڑتا؟

واضح ہو کہ ہمارے ہاں چند رفقاء غلہ یا پیاز وغیرہ سستے دام میں خرید کر جمع کر کے رکھتے ہیں۔ تین چار ماہ کے بعد جبھی قیمت بڑھ جاتی ہے تو مارکیٹ میں لے آتے ہیں۔

براہ کرم! ہماری رہنمائی فرمائیں تاکہ ہمیں شرح صدر حاصل ہو۔ اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کی درخواست ہے۔

جواب :- اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ احادیثِ نبویہؐ میں احتکار کی مذمت وارد ہے۔ صحیح مسلم، کتاب البیوع والمساقات (تحریم الاحتکار فی الاقوات) میں حضرت معمرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من احتکر فھو خاطی، دوسری حدیث کے الفاظ ہیں: یحتکر الا خاطی (احتکار کا مرتکب خطا کار ہے)۔ امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ "اہل لغت کا قول ہے کہ خاطی سے مراد عاصی، آثم، (گناہ گار) ہے اور یہ حدیث احتکار کی حرمت کے بارے میں صریح ہے"۔ پھر امام نووی فرماتے ہیں کہ "ہمارے اصحاب یعنی شافعیہ کے نزدیک احتکار سے مراد خاص ذخیرہ اندوزی ہے جو غذائی اجناس واشیاء میں ہو اور اس کی صورت یہ ہے کہ گرانی کے ایام میں بغرض تجارت خریدی جائیں اور پھر انہیں گراں فروشی کی نیت سے روک کر رکھا جائے۔ لیکن کسی نے اپنی زمین سے پیدا کردہ اجناس کا ذخیرہ کر لیا یا ایسے وقت میں خریدا جب گرانی نہ تھی مگر اُسے ذاتی ضرورت کے لیے ذخیرہ کیا یا پھر خریدا تاکہ انھی ایام میں بیچ دے تو یہ احتکار نہیں ہے"۔

امام ابن الاثیرؒ نے اپنی لغتِ حدیث، النہایہ میں احتکر کے معنی یہ بیان فرماتے ہیں: ای اشتراہ وحبسہ لیقل فیغلو (کسی نے اجناس کو خریدا اور پھر اُسے اس غرض سے روک رکھا کہ جنس کمیاب ہو اور گراں، مہنگی ہو)۔

ابن العابدینؒ، ردّ المحتار، الحظر والاباحۃ فصل البیع میں احتکار کی تعریف میں فرماتے ہیں:

الاحتکار لغۃ: احتباس الشیء انتظار لغلائہ (لغت میں احتکار کے معنی کسی شے کو گرانی کے انتظار میں روک کر رکھنا ہے)۔ اگرچہ متن کی عبارت میں احتکار کا اطلاق غذائی اجناس پہ کیا گیا ہے۔ لیکن شرح میں امام ابویوسفؒ کا یہ قول بھی منقول ہے۔ کہ کل ما اضر بالعامۃ (احتکار کا اطلاق ہر اُس شے کو روک کر رکھنے پہ ہوتا ہے جس کا روک رکھنا عوام الناس کے لیے باعث ضرر ہو)۔

علامہ السید سابق نے فقہ السنۃ جلد ۳ میں احتکار کی مذمت میں متعدد احادیث

نقل فرماتی ہیں: پہلی حدیث وہی ہے جو اُوپر آچکی ہے۔ یہ مسلم کے علاوہ ابوداؤد، ترمذی میں بھی وارد ہے۔ مزید احادیث یہ ہیں:

۱۔ من احتکر الطعام اربعین لیلۃ فقد برئ من اللہ وبرئ اللہ منہ (احمد، حاکم، ابن ابی شیبہ) (جس نے چالیس روز خوردنی اشیاء کا احتکار کیا وہ اللہ سے بری اور اللہ اُس سے بیزار ہے۔)

۲۔ بئس العبد المحتکر: ان سمع برخص ساءہ وان سمع بغلاء فرح (جامع رزین) (محتکر بہت برا انسان ہے، اگر ارزانی سُنتا ہے تو یہ اطلاع اسے بُری معلوم ہوتی ہے اور اگر گرانی، مہنگائی سُنتا ہے تو خوش ہوتا ہے)۔

۳۔ الجالب مرزوق والمحتکر ملعون (ابن ماجہ، حاکم)

(مناسب قیمت پہ فروخت کرنے والے کے رزق کا سامان کیا جاتا ہے اور احتکار کرنے والا ملعون ہے)۔

پھر سید سابق لکھتے ہیں کہ احتکار کا اطلاق اس صورت پر ہوتا ہے جس میں اکثر فقہاء کے نزدیک تین شرائط پائی جائیں۔

۱۔ ایک شخص اپنے، اپنے اہل و عیال اور زیر کفالت افراد کے لیے سال بھر کی غذائی ضروریات سے زاید کا ذخیرہ کر رکھے۔ کیونکہ سال بھر کے نان و نفقہ کا انتظام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

۲۔ زاید از ضرورت اجناس کو گرانی کے انتظار میں روک رکھا جائے تاکہ مال مہنگا بیچا جائے۔

۳۔ حالات ایسے ہوں کہ لوگ ذاتی طور پر ضرورت مند و محتاج ہوں، ورنہ اشیاء عام طور پر دستیاب ہوں تو ان کا روکنا، پس انداز کرنا احتکار میں داخل نہیں۔

جن علماء نے قحط کا لفظ استعمال کیا ہے، جہاں تک میں سمجھتا ہوں ان کی مراد وہی گرانی و نایابی ہے جو مصنوعی طور پر تاجروں کے گٹھ جوڑ کر لینے سے پیدا ہوتی ہے اور لغت اور ارشادِ نبوی میں جہاں احتکار کا لفظ مستعمل ہے، وہ اسی مفہوم کا حامل ہے۔

وہ قحط سالی جو آفات ارضی و سماوی کے نتیجے میں رونما ہوتی ہے۔ احتکار کو صرف اسی قحط سالی تک محدود و موقوف تو غالباً کسی نے نہ رکھا ہوگا۔

باقی رہ گیا یہ سوال کہ حدیث میں چالیس دن کی قید کیوں ہے، اس بارے میں کوئی تشریح و توضیح میری نظر سے نہیں گزری، لیکن میرے ناقص فہم کے مطابق یہاں چالیس کا لفظ مثال و محاورہ کے طور پر استعمال فرمایا گیا ہے۔ اس سے مراد گنتی کے چند ایام ہیں، جس طرح قرآن مجید میں ایاماً معدودہ، وراہم معدودہ، ایاماً معدودات کے الفاظ وارد ہیں، دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ جس نے چند روز کے لیے بھی کسی حاجت مند خریدار سے غذائی اجناس کو روکا اور نہ بیچا وہ وعیداتِ مذکورہ کا مستحق ہوگیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

انسان کے زندہ رہنے اور جسم و جان کا رابطہ قائم رکھنے کے لیے جس طرح غذا ضروری ہے، اسی طرح بعض ادویہ کا استعمال بھی جان بچانے اور صحت حاصل کرنے کے لیے ناگزیر ہے، لہٰذا اشیائے خوردنی کے علاوہ میرے نزدیک ایسی ضروری دواؤں کا روک رکھنا اور چھپانا بھی احتکار کی تعریف میں آتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کا قول ردّ المحتار سے اوپر نقل ہو چکا۔ لابدی ضروریاتِ زندگی کے ماسوا دیگر اشیاء (پیاس، کپاس، معدنیات وغیرہ) کی ذخیرہ اندوزی، گراں فروشی اگرچہ غیر مطلوب و مکروہ ہے، مگر اس پر احتکار کا اطلاق میرے علم و فہم کی حد تک نہ ہوگا۔ اسی طرح غلہ اگر بازار میں بآسانی دستیاب ہے تو ہر دکاندار یا مالک پر یہ لازم نہیں کہ وہ ضرور مارکیٹ میں اپنا پورا اسٹاک لے آئے، ہاں ذاتی ضرورت یا گھریلو حاجت کے لیے جو گاہک آئے، اُسے انکار نہ کیا جائے۔ قرآن مجید ان لوگوں کی بھی مذمت کرتا ہے جو یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ کے زمرے میں داخل ہیں اور عام اشیائے استعمال کو روک رکھتے ہیں۔ (غلام علی)